مسلم اقلیتیں اور سیاسی معاشرت

تین قابل تقلید مثالیں☆

تحریر: ڈاکٹر محمد خالد مسعود
مترجم: ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمن

تعارف:

مسلمانوں کے اظہار ذات کے تصور کو پوری طرح سے سمجھنے کے لئے ان کی تحریروں بالخصوص متکلمین اور فقہاء کے ہاں "دارالاسلام" کے نظریہ کی تاریخ کا مطالعہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ عصر حاضر میں مسلم دنیا میں جو متعدد سیاسی تحریکیں چل رہی ہیں ان کے تجزیہ کیلئے یہ مطالعہ اور بھی اہم ہے۔

دارالاسلام کی تعریف کا سوال نو آبادیاتی نظام سے آزادی کے حصول کی جدوجہد کے تناظر میں ہی اہمیت نہیں رکھتا بلکہ عصر حاضر میں نشاۃ ثانیہ کی تحریکیں، جو مسلم معاشرہ کو حقیقی اسلامی بنیادوں پر استوار کرنا چاہتی ہیں ان کے لئے بھی "دارالاسلام" کی تعریف کا سوال ایک بہت ہی اہم مسئلہ بن کر ابھرا ہے۔

"دارالاسلام" کا مسئلہ اور مسلمانوں کے تشخص کا مطالعہ ایک دوسرے زاویہ سے بھی کیا جا سکتا ہے:

<u>ایک غیر اسلامی معاشرہ میں مسلمان اپنے تشخص کو کیونکر اجاگر کر سکتا ہے؟</u>

☆ یہ مقالہ "Being Muslim in a Non-Muslim Polity: Three Alternate Models" کے عنوان سے Journal of the Institute of Muslim Affairs. کی جلد ۱۰ جنوری ۱۹۸۹ء کے شمارہ ۱ میں طبع ہوا۔

کیا اسے وہاں بھی "دارالاسلام" کے قیام کیلئے جدوجہد کرنی چاہئے؟ یا اسے وہاں سے ہجرت کرنی چاہئے۔

یا کوئی ایسا تیسرا متبادل ہے جو اسلامی تشخص کو خطرے میں ڈالے بغیر اسے اپنی شہریت کو قائم اور جاری رکھنے کی گنجائش مہیا کر سکتا ہے۔

اس مقالہ میں تیسرے متبادل کو زیر بحث لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور غیر مسلم معاشرہ میں مسلمانوں کے سکونت اختیار کرنے سے متعلق مسلم فقہاء کی بحثوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

دارالاسلام اور دارالکفر

عمومی طور پر مسلمان فقہاء دنیا کو دو حصوں (دارالاسلام اور دارالکفر / دارالحرب) میں تقسیم کرتے ہیں ۔ دارالکفر میں بسنے والا مسلمان مذہبی طور پر پابند ہے کہ وہ دارالاسلام کی طرف ہجرت کرے ۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو اسے غیر مسلموں میں شمار کیا جائے گا۔ وہ اپنا قیام صرف اس صورت میں جاری رکھ سکتا ہے جب اسے ہجرت کے وسائل میسر نہ ہوں' اس صورت میں اس کا شمار مستضعفین میں ہو گا۔

یہ وہ عمومی تصویر ہے جو مسلم فقہاء کی بحث کے نچوڑ کے طور پر سامنے آتی ہے۔ یہ نقطۂ نظر قرآن مجید کی ان مدنی آیات پر مبنی ہے جو ہجرت سے متعلق نازل ہوئیں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"بے شک وہ لوگ کہ قبض کیا ان (کی روحوں) کو فرشتوں نے اس حال میں کہ وہ ظلم توڑ رہے تھے اپنی جانوں پر۔ فرشتوں نے انھیں کہا تم کس شغل میں تھے (معذرت کرتے ہوئے) انہوں نے کہا ہم تو بے بس تھے' زمین میں' فرشتوں نے کہا کیا نہیں تھی اللہ کی زمین کشادہ تاکہ تم ہجرت کرتے اس میں یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور جہنم بہت بری پلٹ کر آنے کی جگہ ہے مگر واقعی کمزور و بے بس مرد اور عورتیں اور بچے جو نہیں کر سکتے تھے (ہجرت کی) کوئی تدبیر اور نہیں جانتے تھے (وہاں سے نکلنے کا) کوئی راستہ تو یہ لوگ ہیں جن کے بارے میں امید کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ درگزر فرمائے گا ان سے اور اللہ تعالیٰ درگزر فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے اور جو شخص ہجرت کرے گا اللہ کی راہ میں پائے گا زمین میں پناہ کے لئے بہت جگہ اور کشادہ

روزی اور جو شخص نکلے اپنے گھر سے ہجرت کر کے اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف پھر آلے اس کو (راہ میں) موت تو ثابت ہو گیا اس کا اجر اللہ کے ذمے اور اللہ تعالی غفور رحیم ہے"۔ (۴ ۔ ۹۷ ۔ ۱۰۰)

"اے نبی کریمؐ جہاد کیجئے کافروں اور منافقوں کے ساتھ اور سختی کیجئے ان پر اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے"۔ (۸ ۔ ۷۳)

غیر مسلم معاشرہ میں بسنے والے مسلمانوں کیلئے "ہجرت" مختلف قابل تقلید مثالوں میں سے ایک مثال ہے۔ دو اور مثالیں بھی موجود ہیں جو قبل از ہجرت اور بعد از ہجرت (۶۲۲ء) کے دور سے متعلق ہیں ۔ قبل از ہجرت مسلمان مکہ اور حبشہ میں قیام پذیر تھے اور بعد از ہجرت' معاہدہ حدیبیہ کے دوران بھی مسلمان مکہ میں سکونت پذیر تھے۔

اپنی تحقیق کے سیاق میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ غیر مسلم معاشرہ میں سکونت کے بارے میں مسلمانوں کیلئے مندرجہ ذیل تین مثالیں ملتی ہیں۔

۱۔ قبل از ہجرت (۶۰۹ تا ۶۲۲)

اس وقت دارالاسلام وجود میں نہیں آیا تھا اسلئے ہجرت کا کوئی مسئلہ درپیش نہیں تھا۔ مسلمان اپنے عقیدہ و عمل کے سبب دوسروں سے ممتاز تھے۔ علاوہ ازیں ' غیر مسلموں سے ترک تعلق اور عدم تعاون بھی ان کی شناخت کا سبب تھا۔ اس صورت میں جہاد اور ہجرت مسلمانوں پر فرض نہیں تھے۔ لیکن دارالسلام کے قیام کے لئے کوشاں رہنے کا فریضہ موجود تھا۔

۲۔ بعد از ہجرت (۶۲۲ تا ۶۳۰)

اس دور میں مسلمانوں پر یہ فرض عائد تھا کہ وہ مدینہ کو ہجرت کریں۔ اس اسوہ کی امتیازی علامات ہجرت اور جہاد ہیں ۔ وہ لوگ جو کلیتہ وسائل سے محروم تھے انھیں غیر مسلم معاشرہ میں زندگی گذارنے کی اجازت تھی ۔ ان کی قانونی حیثیت استضعاف کی تھی۔ انہیں اپنی شناخت ظاہر نہ کرنے کی اجازت تھی ' لیکن ان کیلئے یہ ضروری تھا کہ اس عزم کو مسلسل زندہ رکھیں کہ جب بھی حالات موافق ہوں گے وہ دارالاسلام کو ہجرت کریں گے۔

۳۔ حبشہ ۶۱۵ - ۶۲۲ اور حدیبیہ (۶۲۸-۶۳۰)

اس نمونہ میں ہجرت اور جہاد لازمی نہیں تھے، مگر مسلمانوں پر یہ لازم تھا کہ اپنے مذہبی فرائض کی اعلانیہ ادائیگی کے ذریعہ اپنی شناخت کرائیں ۔ حبشہ میں مسلمانوں کو اپنی شناخت کو ظاہر کرنے کی آزادی کی ضمانت ملی ہوئی تھی ۔ اس نمونہ میں مکہ میں مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کے درمیان ایک تحریری معاہدہ کی رو سے اور حبشہ کی مثال میں ایک غیر تحریری سمجھوتہ کے ذریعہ مسلمان اس غیر مسلم ماحول میں اس طرح رہ رہے تھے جیسے وہ دارالاسلام میں رہ رہے ہیں۔

آیئے فقہاء کی آراء اور تاریخی تناظر میں ان تینوں مثالوں کا جائزہ لیتے ہیں:

مکہ بعد از ہجرت

تقریباً چھ صدیوں تک (۶۲۲ - ۱۲۵۸ء) دارالاسلام وسیع اور طاقتور رہا، اس زمانے میں ایسے مسلمانوں کیلئے جو غیر مسلموں کے علاقوں میں سکونت پذیر ہوں بعد از ہجرت، مکی دور کی مثال قابل تقلید رہی: ہجرۃ / جہاد یا استضعاف/ کفر، یعنی اگر کوئی شخص دارالکفر میں مشرف باسلام ہوتا اور وہ وسائل بھی رکھتا تو اس پر لازم تھا کہ وہ دارالاسلام کی طرف ہجرت کرے۔ اسکی ہجرت دارالکفر کو دارالاسلام میں تبدیل کرنے کیلئے جہد مسلسل میں مد ہوتی تھی (۱) ۔ یہی وجہ ہے کہ دارالکفر کو دارالحرب قرار دیا گیا، دارالحرب میں قیام دشمنان اسلام کی طاقت میں اضافہ کرنے کے مترادف تھا۔ وسائل کی عدم دستیابی کی بناء پر مستضعف کی حیثیت سے دارالحرب میں قیام کیا جا سکتا تھا مگر یہ خواہش پیہم از بس ضروری تھی کہ حالات سازگار ہوتے ہی جتنا جلد ممکن ہو سکے ہجرت کی جائے۔

حالت جنگ میں دارالحرب میں قیام پذیر مسلمانوں کی قانونی حیثیت کے بارے میں فقہاء میں اختلاف تھا، بیشتر احناف اور مالکیہ کے نزدیک ان سے غیر مسلموں کی طرح ہی برتاؤ کیا جائے گا۔ ان کی ذات، خاندان اور املاک محترم نہیں رہتیں۔ ایسے مسلمانوں کی حیثیت کا تعین اس علاقے پر لاگو ہونے والے معیارات کے مطابق ہو گا (۲) ۔ دوسرے فقہاء اس رائے سے اختلاف رکھتے ہیں ۔ امام شافعیؒ (۸۲۰ء) کے مطابق اسلام دارالحرب میں قیام پذیر مسلمان کی ذات، خاندان اور املاک کو محترم قرار دیتا ہے (۳) ۔ مالکی فقیہہ ابن العربی (م ۱۱۴۸) کی رائے میں ایسے

آدمی کی اپنی ذات تو محترم تھی مگر اس کی املاک نہیں (۴)۔ عمومی طور پر مغربی مالکیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ایسے مسلمان کی ذات قابل احترام ہے مگر اس کا خاندان اور املاک نہیں (۵)۔

درحقیقت بعد از ہجرت مکہ' والی مثال کے حوالے سے غیر مسلم علاقے میں مقیم مسلمان کو فقہا عموماً مندرجہ ذیل عبارت سے بیان کرتے:

ایک شخص مشرف با سلام ہوتا ہے اور ہجرت نہیں کرتا (من اسلم ولم یھا جر ۰۰۰)۔ یہ صورت حال فقہاء کی زبان پر اتنی راسخ تھی کہ اس کا اطلاق ایسی صورت ہائے احوال پر بھی لاگو کرتے تھے' جو اس روایتی صورت حال سے مختلف تھیں۔ (۶)

"من اسلم ولم یھاجر" کی صورت حال دراصل ان علاقوں کے لئے تھی جو کسی شخص کے مسلمان ہوجانے سے پہلے ہی دارالحرب تھے۔ مگر یہ کلیہ اکثر ان مسلمانوں پر بھی لاگو کیا جانے لگا جنکے علاقے دارالاسلام تھے مگر بعد ازاں غیر مسلموں نے انھیں فتح کیا اور وہ دارالحرب قرار پائے۔ اس صورت میں اسلام دارالحرب سے پہلے موجود تھا لیکن اکثر فقہاء اس صورت کو (من اسلم ولم یھاجر" کی صورت کے مشابہ قرار دیتے ہیں۔ اس نقطہ نظر کے تسلسل کا قرین قیاس سبب یہ ہے کہ بعض سرحدی علاقوں پر غیر مسلموں کا قبضہ ہونے کے باوجود دارالاسلام کا وسیع تر علاقہ مسلم دائرہ اقتدار میں موجود رہتا تھا۔ اس نقطہ نظر کو اس وقت چیلنج کا سامنا ہوا جب دارالاسلام کا بیشتر حصہ غیر مسلموں کے نو آبادیاتی تسلط کے نیچے آگیا۔

بعد از ہجرت مکہ والی مثال میں کلیدی تصور دارالاسلام کا تھا' کیونکہ دارالاسلام کے علاوہ دیگر علاقے دارالحرب تھے۔ اس دارالاسلام کی تعریف میں تبدیلی کے باوجود اس مثال کو ہمیشہ پیش نظر رکھا گیا۔ بعض طبقات مثلاً خوارج جنھوں نے اس کو چیلنج کیا (۷) 'کوئی مستحکم اور مستقل بالذات دارالاسلام پیش کرنے سے قاصر رہے خوارج کی طرح دیگر مخالفانہ تحریکیں بھی قبل از ہجرت مکی مثال سے بعد از ہجرت مکی مثال کی طرف کوئی پیش رفت نہ کر سکیں۔

یہ امر خاص طور پر ملحوظ نظر رہے کہ اسلامی تاریخ میں جہاد کی تحریکوں نے خاص طور پر خوارج کے دارالاسلام اور ہجرۃ کے تصورات کو پیش نظر رکھا۔ خوارج' حضرت علی کے دور خلافت کے اوائل میں ہونے والی خانہ جنگی کے دوران منظر عام پر آئے اور پھر بنو امیہ اور بنو عباس کے دور میں سلسلہ مخالفت جاری رہا۔

خوارج کا عمومی نقطہ نظر یہ ہے کہ ہر علاقہ دارالکفر ہے تاآنکہ وہ دارالاسلام میں تبدیل ہو جائے۔ اگر دارالاسلام میں اللہ کی حاکمیت اعلیٰ سے انحراف کیا جائے تو وہ پھر سے اپنی حقیقی حیثیت، دارالکفر کی طرف پلٹ جائے گا۔ ایسی صورت حال میں ایسے علاقوں سے ہجرت فرض ہے اور پھر سے ایسے علاقے کو دارالاسلام کی حیثیت میں لانے کیلئے جہاد ناگزیر ہوتا ہے (۸) غالباً ابتدائی خانہ جنگی کے دوران خوارج کی مخالفت کے سبب اور امت کو متحد رکھنے کیلئے عمومی نقطہ نظر یہ تھا کہ دارالاسلام وہ علاقہ ہے جو مسلمان بادشاہ کے زیر اقتدار ہو یا وہ علاقہ جہاں اگرچہ حکمران غیر مسلم ہو لیکن مسلمانوں کو اپنے مذہبی فرائض کی بجا آوری کی آزادی حاصل ہو۔ مثلاً ۱۹ویں صدی میں افریقہ کا وہ علاقہ جو مسلمان حکمران کے زیر تسلط تھا دارالاسلام تسلیم کیا گیا (۹)۔ انیسویں صدی میں ہی برطانوی ہند کو جو غیر مسلم حکمرانوں کے زیر تسلط تھا کو دارالاسلام قرار دینے کا جواز پیش کیا گیا۔

یہ جاننے کیلئے کہ کون سا علاقہ دارالاسلام ہے، فقہاء نے درج ذیل درجات ترتیب دیئے ہیں:

۱۔ جہاں حکمران مسلمان نہ ہو، قانون اسلامی نہ ہو اور شعائر دین کی ادائیگی کی اجازت حاصل نہ ہو۔

۲۔ جہاں حکمران غیر مسلم ہو، قوانین جزئی طور پر اسلامی اور جزئی طور پر غیر اسلامی ہوں، مگر شعائر دین کی ادائیگی پر کوئی پابندی نہ ہو۔

۳۔ جہاں حکمران مسلمان ہو، اور قوانین شرعیہ کو اعلیٰ ترین حیثیت حاصل ہو۔

۴۔ حکمران مسلمان ہو، قوانین مقامی بھی اور اسلامی بھی ہوں۔

مندرجہ بالا درجات میں سے صرف پہلے درجے کو دارالحرب قرار دیا گیا۔ جبکہ دوسرے درجات کو دارالاسلام کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا۔ (۱۰)

یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ دارالاسلام کی تعریف میں اقتدار اعلیٰ، اسلامی برتری، اسلام کی حکمرانی، ان معنوں میں کیسے شامل ہوئی کہ یا تو حکمران مسلمان ہو یا مسلمان اپنے شعائر کی بجا آوری میں آزاد ہوں اور درج ذیل پانچ امور میں آزادی کو مذہبی آزادی کا معیار

قرار دیا گیا:

۱۔ اذان کی آزادی۔

۲۔ عید اور جمعہ کی کھلے عام آزادی

۳۔ مسلم قضاۃ کا تقرر

۴۔ مذہبی تعلیم کی آزادی

۵۔ خوراک اور ذبیحہ کی آزادی

اس فہرست میں توسیع قریب العہد سالوں میں ہوئی، مگر عمومی طور پر ان پانچ معاملات میں آزادی پر اتفاق ہے (۱۱)۔

مصلحین کا چیلنج

افریقہ میں (۱۲) عثمان دان فودیو (۱۸۱۷ـ۵۴) اور بیسویں صدی کی نشاۃ ثانیہ کی تحریکوں مثلاً پاکستان میں جماعت اسلامی، پاکستان کا ہی ایک اور طبقہ علماء، مصر کی اخوان المسلمین اور جماعت المسلمین نے پہلی مرتبہ دارالاسلام کی اس تعریف کی مخالفت کی۔

ان کے مطابق دارالاسلام وہ علاقہ ہے جہاں حکم الٰہی اور شرعی قوانین، حقیقی اور مثبت انداز میں نافذ العمل ہوں۔ دارالاسلام ہونے کیلئے صرف یہی کافی نہیں کہ وہاں کا حکمران مسلمان ہو اور شعائر دین کی بجا آوری میں آزادی حاصل ہو۔

انیسویں صدی کے مجاہدین اور عصر حاضر کی نشاۃ ثانیہ کی تحریکوں میں نہایت واضح فرق ہے۔ اول الذکر عموماً دارالاسلام کے قیام میں کامیاب ہوئے، جہاں وہ ہجرت کی دعوت دیتے تھے اور اس طرح بعد از ہجرت مکہ کے اسوہ کو بطور نمونہ پیش کرسکتے تھے۔

عصر حاضر کی تحریکیں، اپنے دارالاسلام کے مرکز کے قیام کی کوششوں کے باوجود اس قابل نہیں تھیں کہ وہ بعد از ہجرت، مکہ کے اسوہ کا مکمل طور پر تتبع کر سکیں۔ یہ حضرات پوری دنیا کے مسلمانوں کو اپنے اپنے کیمپوں کی جانب ہجرت کی دعوت نہیں دے سکتے۔ اگرچہ ان کا بنیاذی حوالہ قبل از ہجرت مکہ کا اسوہ ہی ہے مگر انہوں نے بعد از ہجرت مکہ کے اسوہ کی ایک مخصوص تعبیر وضع کی جس میں جسمانی ہجرت کے بجائے کافرانہ اطوار سے ذھنی ہجرت پر نسبتاً تھوڑا زور

اسی رجحان کی عکاسی کرتا ہے (۱۳)۔

آزادی کی تحریکیں، تحریک پاکستان کی طرح ایک اور رجحان کا پتہ دیتی ہیں۔ اس تحریک میں اگرچہ ہجرت کی قطعاً دعوت نہیں دی گئی پھر بھی وہ اس کی سب سے اہم خصوصیت بن گئی ہے۔

اس کا صاف صاف مقصد دارالاسلام کا قیام تھا۔ اس کے قائدین نے دارالاسلام کے یہی معانی بیان کئے کہ ایسا علاقہ جہاں مسلمان اسلام پر عمل پیرا ہونے میں آزاد ہوں گے۔ یہ تعریف درج بالا تعریفات سے مختلف ہے۔

انیسویں اور بیسویں صدی میں جب دارالاسلام کا زیادہ تر حصہ غیر مسلموں کے نو آبادیاتی تسلط میں آ گیا، تو تیسری قابل تقلید مثال یعنی حبشہ / حدیبیہ کی طرف توجہ مرکوز ہوئی۔

اسوہ حبشہ

مسلمان حکمرانوں کے زیر تسلط علاقے، جگہ اور وسائل کے لحاظ سے نہایت محدود تھے اس صورت حال میں مہاجرین کو خوش آمدید نہیں کہا جا سکتا تھا۔ چنانچہ اس دوران جو سوال بار بار ابھر کر سامنے آتا تھا یہی تھا: کیا وہ علاقے جو بنیادی طور پر دارالاسلام ہیں غیر مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہونے کے بعد دارالحرب میں تبدیل ہو جاتے ہیں؟

اکثر فقہاء کے ہاں معیار شعائر اسلام کی بجا آوری میں آزادی تھا۔ کچھ فقہاء مثلاً شاہ عبدالعزیز (۱۸۲۴ء) نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا۔ ان کے نزدیک مذکورہ آزادی موجود نہ تھی۔ انہوں نے برطانوی حکمرانوں کی عطا کردہ مذہبی آزادی کو غیر حقیقی قرار دیا (۱۴)۔ فقہاء دیوبند نے دارالحرب اور دارالاسلام کی تعریف میں مزید نکتے پیدا کئے۔ ان کے نزدیک ہندوستان بوجوہ دارالحرب تھا اور بوجوہ دارالاسلام۔ ان کے مطابق ہجرت فرض نہیں تھی، اس لئے کہ استطاعت کا فقدان تھا۔ وہ بظاہر بعد از ہجرت، اسوہ مکہ میں استضعاف کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ (۱۵)

مفتی کفایت اللہ (م ۱۹۵۲ء) کے نزدیک ہجرت صرف اس وقت فرض ہوتی ہے جبکہ مسلم ریاست کی طرف سے اپنے تحفظ کیلئے جہاد کا اعلان کر دیا جائے علاوہ ازیں جب مسلمان شعائر

دینیہ (۱۶) کی تعمیل سے قاصر ہوں' مولانا احمد رضا بریلوی (م ۱۹۲۰ء) نے ہندوستان سے ہجرت کی مخالفت کی ' ان کی دلیل یہ تھی کہ اس صورت میں مسجدیں' قبرستان اور دیگر مقدس مقامات دیکھ بھال سے محروم ہو جائینگے اور بالآخر غیر مسلموں کے ہاتھوں ان کی تباہی اور پامالی ہو گی (۱۷)۔

شبلی نعمانی (۱۹۱۴ء) کا موقف یہ تھا کہ غیر مسلم حکومت جب مذہبی آزادی ' جان' مال خاندان' املاک کا تحفظ فراہم کر رہی ہے تو اس کی اطاعت کرنی چاہیے ان کے پیش نظر حبشہ کی مثال تھی (۱۸)۔

اس توجیہہ کے مطابق مسلمانوں کا ہجرت نہ کرنا اس معاہدہ (عہد) کی رو سے تھا جو مسلمان رعیت اور حکومت کے درمیان تھا۔ معاہدہ کی رو سے مذہبی آزادی کی ضمانت دی گئی تھی اور یہ صورت احوال حبشہ اور حدیبیہ کی مثال سے مماثلت رکھتی تھی۔ حبشہ کی مثال (جو ایسا علاقہ تھا جہاں مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے ہی غیر مسلموں کی حکومت تھی) اور ان مسلمانوں (جو ان علاقوں میں رہ رہے تھے جو بنیادی طور پر دارالاسلام تھے بعد میں غیر مسلمانوں کے نو آبادیاتی تسلط کے زیر نگیں آئے) کی حیثیت میں فرق کا حدیبیہ کی مثال سے تقابل کر کے نظرانداز کر دیا گیا۔ یہ بات لائق غور ہے۔

اس حالت میں غیر مسلم حکمرانوں نے مذہبی شعائر کی ادائیگی میں دخل اندازی نہ کرنے کا یقین دلایا تھا۔

عصر حاضر کی مسلمان اقلیتیں

قریب العہد زمانے میں دارالاسلام کے بہت سے سابقہ علاقے دوبارہ آزاد قومی ریاستوں کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں لیکن اس دوران بہت سے مسلمان ان علاقوں میں رہ گئے ہیں جہاں اسلام حکومت کا مذہب نہیں ۔ انھیں مسلم اقلیتوں کا نام دیا گیا ہے ۔ اس صورت حال میں مسلمان کس مثال کی تقلید کریں' بعد از ہجرت مثال کی؟ دور حاضر میں' قومی ریاستیں حتی کہ مسلمان بھی اپنے علاقوں کی طرف وسیع پیمانے پر ہجرت کی اجازت نہیں دے سکتے۔ قبل از ہجرت مکی مثال کو پیش نظر رکھا جائے؟ کیا جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں انہیں ان ریاستوں کو دارالاسلام میں تبدیل کرنے کی کوشش کرنا چاہئے' یا انھیں حبشہ / حدیبیہ کی مثال کی متابعت کرنا چاہیے۔

قومی ریاستوں کے قیام اور اقتدار اعلی کے جدید تصورات کی وجہ سے ایک الجھاو پیدا ہوا

ہے۔ قدیم اور قرون وسطی کے فقہاء کے نزدیک دارالاسلام کیلئے کسی ایک مقتدر ریاست کا وجود ضروری نہیں۔ لیکن بیسویں صدی کے دانشور خاص طور پر وہ حضرات جو روایتی مدارس سے فارغ التحصیل نہیں قرون وسطی کی فکری نزاکتوں کے ساتھ زیادہ مناسبت نہیں رکھتے' وہ آزادی کی تحریکوں میں شامل تھے' اور ان کے نزدیک دارالاسلام کیلئے ایک مقتدر' سیاسی طور پر آزاد ریاست کا وجود ضروری ہے۔ یوں بعد از ہجرت مکی نمونہ ان کے لئے قابل قبول نہیں۔ وہ غیر مسلم حکمرانوں اور بعد میں برائے نام مسلمان حکمرانوں کے خلاف اپنی جدوجہد کے جواز میں قبل از ہجرت مکی نمونہ کو پیش کرتے ہیں۔ سیاسی اقتدار اعلی کے ساتھ اس شدید وابستگی نے مسلم اقلیتوں اور خاص طور پر مغربی ممالک میں بسنے والے تارکین وطن کے مسائل حل کرنے کی نسبت مسائل میں اضافہ کیا ہے۔

سید زین العابدین نے مسلم اقلیت کا رکن ہونے کے باوجود اس صورت حال سے متعلق درج ذیل سوالات اٹھائے ہیں۔

۱۔ کیا مسلمان آبادیاں جو اقتدار اعلی سے محروم ہیں' مسلم دنیا کا حصہ ہیں؟

۲۔ کیا وہ ایک غیر ملکی سرزمین پر محض ایک دور افتادہ خطۂ زمین ہیں؟

۳۔ یا وہ ہمیشہ کیلئے غیر مسلموں کے زیر تسلط رہیں گی؟

اول الذکر صورت میں مسلم اقلیتوں کو آزادی حاصل کرنے اور عالم اسلام سے ربط و ضبط کے لئے کوشاں رہنا چاہیے۔

ثانی الذکر صورت میں مسلمانوں کو غیر مسلم معاشرے میں رہتے ہوئے صرف مذہبی اور قانونی حقوق حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

وہ حضرات جو عالم اسلام کو مقتدر' اور سیاسی طور پر برتر دیکھتے ہیں ان کیلئے زین العابدین کا پہلا نکتہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ عابدین کے نزدیک یہ نقطۂ نظر' نظرثانی کے لائق ہے۔ ان کی رائے میں غیر مسلم ممالک میں مقیم مسلمان دو شناختیں رکھتے ہیں' مذہبی اور قومی' مسلمان اور مقامی۔ زین العابدین کے خیال میں اس صورت میں مسلم تشخص کے بقاء کی دو صورتیں ہیں یعنی ثقافت اور بقائے نسل اور نظریہ و اقتدار کا تحفظ۔ زین العابدین کی رائے میں مسلم تشخص

کے بقاء کا اہم ذریعہ نظریاتی اظہار ہے، اسے محفوظ رکھنا چاہیے۔ بہرحال یہ تصورات کی ارتقائی صورتیں ہیں، اور موجودہ حالات کے تناظر میں کسی قابل عمل صورت کی تلاش باقی ہے، (۱۹)

علی کتانی نے اس نظریہ کو آگے بڑھانے کی کوشش کی ہے۔ وہ غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کیلئے تجویز کرتے ہیں کہ وہ اپنے تشخص کے تحفظ کیلئے، منظم ہوں، اپنے قائدین اور قضاۃ کا انتخاب کریں۔ اپنے بچوں کو اسلامی تعلیم سے بہرہ مند کریں، حج اور مسلم ممالک میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے ذریعے مسلم ممالک کے ساتھ تعلقات استوار کریں ۔ وہ معاشی بدحالی اور غیر مسلم ماحول میں انجذاب سے بچیں ۔ انجذاب کا یہ عمل عام طور پر باہمی شادیوں، مسلم ناموں کو ترک کرنا، غیر مسلموں کی عادات و اطوار کو اپنانا اور ذہنی طور پر غیر مسلموں کے فلسفہ اور قانون کو تسلیم کرنے سے ہوتا ہے۔ کتانی نے غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کیلئے خصوصیت کیساتھ حبشہ کو نمونہ قرار دیا ہے، جو نہ صرف اس ملک میں پہلی مسلمان ہجرت کا پتہ دیتا ہے بلکہ وہ ابتدائی دور کے متعدد مسلم تجار کے غیر مسلم علاقے میں قیام کی طرف بھی توجہ دلاتا ہے (۲۰) ۔

ثانیاً کتانی کہتے ہیں کہ اقلیتوں میں اپنے تشخص کی بیداری کا سبب بالعموم اکثریتی طبقہ کے طرز عمل کا رد عمل ہے ۔ زمانہ حال میں مغربی ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کے جذبہ تشخص کے ارتقاء کو سمجھنے کیلئے یہ ملاحظات خصوصی اہمیت رکھتے ہیں ۔ وہ لوگ جو دوسری جنگ عظیم سے پہلے ہجرت کر گئے انہوں نے اس بیداری کا مظاہرہ نہیں کیا اور وہاں کی مقامی آبادیوں میں جذب ہو گئے (۲۱) ۔

ممکن ہے مسلم بیداری میں اس حالیہ اضافہ کے کچھ اور اسباب ہوں مثلاً اپنی اصل کی تلاش، آبائی وطن کی کشش، خواتین کی مقامی عادات و اطوار کے خلاف مزاحمت، مذہبی اور تعلیمی تنظیموں کا قیام، مگر شاید یہ بیداری کے اسباب نہیں نتائج ہیں۔

کتانی مغربی ممالک کی جانب مہاجرت کو حبشہ کی مثال سے مربوط کرتے ہیں ۔ مماثلت کی بنیاد پر اس اسوہ کا دائرہ دیگر مسلم اقلیتوں تک وسیع ہو سکتا ہے ۔ اس کے برعکس ابوالحسن علی ندوی (۲۲) اور اسماعیل فاروقی (۲۳) اس قیام کو عارضی قرار دیتے ہیں اور غیر مسلموں کے درمیان قیام کو صرف مقاصد تبلیغ کیلئے جائز قرار دیتے ہیں۔

خلاصہ

غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمانوں سے متعلق فقہاء کے نظریات کی قانونی حیثیت کو درج ذیل تین نمونوں میں اختصار کے ساتھ پیش کیا جا سکتا ہے۔

	نمونہ	مقصد
۱۔	قبل از ہجرت مکہ	دارالاسلام کے قیام کے لئے سعی
۲۔	بعد از ہجرت مکہ	دار الحرب کے خلاف دار الاسلام کے جہاد کو تقویت پہنچانے کے لئے ہجرت۔
۳۔	حبشہ / حدیبیہ	دارالحرب میں اسطرح قیام جیسے دارالاسلام ہی ہو

یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ تین نمونے ہم نے فقہاء کی ایک طویل عرصہ پر پھیلی ہوئی تحریروں سے اخذ کئے ہیں۔ اس بات کی طرف پہلے توجہ دلائی جا چکی ہے کہ مختلف اوقات میں اور مختلف تاریخی حالات میں فقہاء نے ہجرت کے نظریہ کی مختلف تعبیرات پیش کی ہیں ۔ تاہم جدید متکلمین، خصوصاً اصلاحی سیاسی مفکرین، کی تحریروں میں بعد از ہجرت مکہ اور مدینہ کو قابل عمل نمونہ کے طور پر زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ جب مصنفین دارالاسلام (اسلامی ریاست؟) کے قیام کے لئے کوششوں کا ذکر کرتے ہیں تو ان کی تحریروں میں قبل از ہجرت مکی مثال کی طرف اشارے ملتے ہیں ۔ عالم اسلام میں یہ رجحان قومی ریاستوں کے قیام کے بعد پیدا ہوا ہے۔ حبشہ کے نمونہ کا شاذ و نادر ہی تذکرہ ملتا ہے۔

اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اسلامی فکر میں "ریاست" کو اسلام کے وجود کے لئے ایک لازمی عنصر تصور کر لیا گیا۔ ایسا شاید اس لئے ہے کہ اسلامی تاریخ کا زیادہ حصہ سیاسی طور پر غالب مسلمان معاشروں کے تذکرہ سے بھرا پڑا ہے۔ دوئم نو آبادیاتی تسلط کے خلاف مسلمانوں کی اپنے مذہبی اور ثقافتی بقاء کے لئے کشمکش کے دوران مسلم ریاست کے قیام کو سیاسی آزادی کے لئے ناگزیر تصور کر لیا گیا، سوم، اصلاحی/ احیائی تحریکوں کے خیال میں اسلامی ریاست کے بغیر احیاء اسلام ممکن نہ تھا۔ نتیجتہً دارالاسلام جو کہ قرون وسطی کا ایک مذہبی/ قانونی تصور تھا اسے جدید مولفین نے اسلامی ریاست اور قومی ریاست کے جدید سیاسی تصور کے درمیان تضادات کو پوری

طرح حل کئے بغیر اسلامی ریاست کا ہم معنی سمجھ لیا۔

یوں، دارالاسلام کی تعریف نے بہت سے مسائل پیدا کر دیئے ہیں، بالخصوص مسلم اقلیتوں کے ہاں تصور ہجرت بحث و نظر کا مسئلہ بن گیا۔

ہمارے خیال میں حبشہ کا نمونہ (دوسرے دو نمونوں پر جہاں کہیں بھی ان کا اطلاق ہوتا ہو، کی اہمیت اور موزونیت پر منفی اثر ڈالے بغیر) غیر مسلم علاقوں میں رہنے والے مسلمانوں کے مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ ان تینوں نمونوں کا مشترکہ نصب العین ایک ایسی امت کا قیام ہے جس کا مقصد خدائے واحد کے نام پر دنیا میں باہمی مدد اور اشتراک کو فروغ دینا ہے۔ اس مقصد کو دونوں صورتوں میں حاصل کیا جا سکتا ہے خواہ مسلمان کسی اسلامی ریاست میں رہ رہے ہوں یا کسی غیر اسلامی علاقہ میں۔

حواشی

1- *Majid Khaduri, War and Peace in the Law of Islam, Boltimore: John Hopkings, 1955, P. 144.*

۲- جصاص، ابوبکر، احکام القرآن، جلد ۲، ص ۲۴۱، استنبول ۱۹۱۶ء امیر علی۔ فتاوی عالمگیری (اردو)۔ جلد ۳، ص ۴۲۳، نول کشور، لکھنؤ ۱۹۳۲ء۔ الونشریسی، احمد بن یحیی، المعیار المعرب و الجامع المغرب، جلد ۲، ص ۱۲۸ دار العرب الاسلامی، بیروت۔

۳- الشافعی، محمد ادریس، کتاب الام، جلد ۵، ص ۸۴، امیریہ، قاہرہ ۱۹۷۲ء

۴- ابن العربی، ابوبکر، احکام القرآن، جلد ۱، ص ۴۸۶، دار المعارف، بیروت ۱۹۷۲ء

۵- الونشریسی، حوالہ سابقہ

۶- ایضاً، ص ۱۲۴

7- *Muhammad Khalid Mas,ud "Shehu Usman dan Fodio,s Restatement of the Doctrine of Hijrah" Islamic Studies 25:1, Spring 1986 pp 59-77*

۸- ابو الحسن الازہری، مقالات الاسلامیین، ج ۱، ص ۱۶۲، قاہرہ ۱۹۵۰

۹- خالد مسعود، حوالہ سابقہ

۱۰۔ راجہ رشید محمود، تاریخ ہجرت (۱۹۲۰)، ص ۴۷، مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۸۶ء

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ خالد مسعود، حوالہ سابقہ

۱۳۔ اسرار احمد۔ ٹیلیویژن انٹرویو، مطبوعہ، میثاق، ص ۱۹۔۳۵، جولائی ۱۹۸۵ء لاہور۔

14- *Aziz Ahmad, Studies in Islamic Culture in the Indian Environment Oxford: 1964, P. 215*

شاہ عبدالعزیز، فتاوی عزیزی، ص ۴۲۱، سعید کمپنی کراچی ۱۹۸۰ء

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ مفتی کفایت اللہ۔ کفایت المفتی، جلد۲، ص ۱۴۷

۱۷۔ راجد رشید محمود، حوالہ سابقہ

۱۸۔ شبلی نعمانی، مقالات شبلی، جلد۱، معارف اعظم گڑھ ۱۹۳۲ء

19- *Syed Z. Abedin "A Study of Muslim Minority Problems: A Conceptual Approach", Muslim Communities in non-Muslim States, London: 1980, P.16-29*

20- *M. Ali Kettani, The Problem of Muslim Minorities and their Solutions, in Ibid PP. 91-107*

21- *Ibid*

22- *S. Abu,l Hasan Ali Nadvi, Muslims in the West, the Message and Mission, Leicester Islamic Foundation, 1983,*

23- *Isma,il Al- Faruqi, The Hijrah, the Necessity of its Iqamat or vergegen Wartingung, Islamabad: National Hijrah Council, 1985.*